فکر و نظر---- اسلام آباد جلد:۳۹ شمارہ:۳

بیسویں صدی کی اہم تعبیراتِ ربا کا جائزہ

ڈاکٹر محمد طاہر منصوری ☆

جدید عالمی معاشی اور مالیاتی نظام کے سیاق اور تناظر میں ربا کے مفہوم کا نئے سرے سے تعین گزشتہ چند دہائیوں سے عالم اسلام کے بعض اہلِ علم اور دانشور حضرات کی خصوصی دلچسپی کا موضوع رہا ہے۔ مغربی نظامِ معیشت کے اصولوں سے متأثر ان حضرات کی یہ کوشش رہی ہے کہ ربا کی اس طور پر تعبیر کی جائے کہ وہ ایک مخصوص شکل تک محدود ہو کر رہ جائے اور نتیجۃً بینک کے منافع اور کمرشل انٹرسٹ کے جواز کی صورت پیدا ہو جائے۔ اسلام سود کو ایک قبیح گناہ اور ایک سنگین اخلاقی و معاشرتی برائی تصور کرتا ہے جبکہ جدید معاشی نظام میں سود کی حیثیت جسم میں دوڑنے والے خون کی ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کی جان اور اس کی روح رواں ہے۔ عالم اسلام کے یہ اہلِ علم اور دانشور حضرات فکری طور پر اس بات کے قائل ہیں کہ بینکوں کا سود جدید معاشی زندگی کا لازمی جزو ہے جس کے بغیر معیشت کی ترقی کا تصور بھی ناممکن ہے۔ ان افراد کی نگاہ میں اس طرح کے ایک مفید عنصر کے انکار سے اسلام کا وہ دعویٰ غلط ہو جائے گا کہ وہ ہر عہد اور ہر زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ شریعت کو جدید عصری تقاضوں سے ''ہم آہنگ'' کرنے کی خواہش میں ان حضرات نے مفہومِ ربا کی ایسی تشریح و تعبیر کی ہے کہ اس سے جدید نظام سرمایہ داری میں سود کی جتنی اشکال پائی جاتی ہیں وہ قریب قریب سب حلال و جائز ہو جاتی ہیں۔ بیسویں صدی میں جن مسلمان اہلِ علم نے اس طرح کی کوششیں کی ہیں ان میں نمایاں نام علامہ رشید رضا، علامہ عبدالعزیز جاویش، علامہ علی الخفیف، علامہ محمود شلتوت، ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری، ڈاکٹر معروف دوالیبی، مولانا جعفر شاہ پھلواروی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ہیں۔ ان افراد نے کمرشل انٹرسٹ یا بینک کے سود کے

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

جواز کے لیے ربا کی مختلف انداز میں تشریح و تعبیر کی ہے۔ ان میں سے بعض نے قرآنی لفظ ربا سے مراد دوگنا چوگنا ہونے والا سود لیا ہے۔[۱] ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ غیر پیداواری اور شخصی قرضوں پر جو اضافہ قرض خواہ مقروض سے لیتا ہے، وہی ربا ہے، پیداواری قرضوں پر اضافہ ربا نہیں۔ بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ بینک اپنے کھاتہ دار کو جو اضافہ دیتا ہے وہ مضاربہ کاروبار کا نفع ہے۔

اس مقالہ میں ہم نے علامہ رشید رضا اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی تعبیراتِ ربا کا جائزہ لیا ہے۔ ان اہلِ علم کے نقطہ ہائے نظر کا انتخاب ہم نے اس بناء پر کیا ہے کہ کمرشل انٹرسٹ کے حق میں یا ربا اور انٹرسٹ کے فرق پر ان افراد کی تحریریں بہت بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ بینکنگ انٹرسٹ کے حق میں جو استدلال کیا جاتا ہے، اس کا مرجع عام طور پر علامہ رشید رضا اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی آراء ہیں۔

علامہ رشید رضا کا تصور ربا

علامہ رشید رضا بیسویں صدی کے ایک معروف عالم دین اور دانشور تھے۔ علمی حلقوں میں ان کی ذات و شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ مشہور تفسیر قرآن المنار کے مصنف تھے۔ ''المنار'' کے عنوان سے انہوں نے ایک مشہور علمی رسالہ کا اجراء کیا جس میں مختلف دینی موضوعات پر ان کی اور ان کے استاذ شیخ محمد عبدہ کی آراء چھپتی رہتی تھیں۔ یوں تو ربا پر ان کی آراء اس رسالے کے توسط سے وقتاً فوقتاً علمی حلقوں کے سامنے آتی رہتی تھیں تاہم وہ تحریر جو ان کے نقطۂ نظر کو واضح طور پر متعارف کرانے کا باعث بنی، آپ کا ایک فتویٰ ہے جو ۱۹۳۰ء میں ''المنار'' میں شائع ہوا۔ بعد میں یہ فتویٰ ''الربا والمعاملات فی الاسلام'' کے عنوان سے ۱۹۶۰ء میں کتابی شکل میں شیخ محمد بیطار کی تقریظ کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ اس فتویٰ میں آپ نے ربا پر کچھ سوالات اور استفسارات کے جواب دیئے جو حیدرآباد دکن سے آپ کو ارسال کیے گئے تھے۔ مذکورہ استفتا کے چند اہم سوال یہ ہیں:

۱۔ ربا کا قرآن و سنت کی روشنی میں مفہوم کیا ہے؟

۲۔ کیا قرض کے اصل زر پر متعین اضافہ نص کی رُو سے ربا ہے؟

۳۔ اگر اس طرح کا اضافہ ربا ہے تو کیا اس نقطۂ نظر کی تائید مختلف فقہی مذاہب میں ملتی ہے؟

علامہ رشید رضا نے ان سوالات کا تفصیل سے جواب دیا، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ قرض کی اصل رقم پر متعین اضافہ ربا نہیں کیونکہ قرآن و سنت میں اسے ربا قرار دینے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ علامہ رشید رضا کے اس نقطہ نظر کی اہمیت یہ ہے کہ کمرشل انٹرسٹ یا بینک کے سود کے حق میں جو تحریریں اور آراء بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں سامنے آئی ہیں وہ عموماً علامہ رشید رضا کے نقطۂ نظر پر مبنی ہیں۔ لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تجارتی سود کے حق میں جو موقف مختلف حلقوں نے اختیار کیا ہے، اس کی بنا اور طرح علامہ رشید رضا کی تحریروں نے ڈالی ہے۔ اس تاریخی اہمیت کے پیش نظر ہم تفصیل سے علامہ رشید رضا کے تصور ربا کا جائزہ لیں گے۔

ربا النسیئہ کا مفہوم

علامہ رشید رضا ربا کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی قسم ربا النسیئہ ہے۔ یہ ایک قطعی اور صریح ربا ہے۔ اس کی حرمت قطعی ہے۔ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں سود ہے۔ دوسری قسم ربا الفضل ہے جو کھلا سود نہیں۔ تاہم وہ کھلے سود کا ذریعہ اور چور دروازہ بن سکتا ہے۔ اس کی حرمت محض سد الذریعہ کے طور پر ہے۔ اس طرح کے سود کا ضرورت کے وقت ارتکاب کیا جا سکتا ہے۔ قطعی و حقیقی ربا یا ربا النسیئہ وہ اضافہ ہے جو قرض خواہ قرض دہندہ سے اس کے وقت مقررہ پر قرض ادا نہ کر سکنے کی صورت میں اسے مزید مہلت دینے کے عوض وصول کرتا ہے۔ معاہدہ کے وقت جس اضافے کا مطالبہ دائن مدین سے کرتا ہے وہ ربا النسیئہ کے مفہوم میں شامل نہیں۔

ایک سوال کے جواب میں علامہ فرماتے ہیں:

> ''جان لو کہ موجل دین میں معاہدے کے وقت جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ ربا النسیئہ نہیں ہے بلکہ ربا الفضل کی قسم سے تعلق رکھتا ہے، ربا النسیئہ وہ ربا ہے جو مدت معاہدہ کے اختتام پر مہلتِ ادائیگی بڑھانے کے عوض دائن مدین سے

لیتا تھا۔ یہی بعد میں دوگنے چوگنے ربا میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اسی ربا کا رواج اور چلن تھا"۔(۴)

معاہدۂ قرض میں جس اضافے پر فریقین اتفاق کرتے ہیں، علامہ رشید رضا کی نگاہ میں وہ ربا الفضل ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ زید بکر سے ایک ہزار روپے ۲۰ فیصد اضافے کی شرط پر ایک سال کے لیے قرض لیتا ہے۔ یہ بیس فیصد اضافہ ربا النسیہ نہیں بلکہ محض ربا الفضل ہے اور ربا الفضل بقول علامہ رشید رضا امام ابن القیم کے ہاں مخصوص حالات میں جائز ہے۔ مذکورہ مثال میں اگر زید سال کے بعد قرض کی ادائیگی نہیں کرتا اور بکر اسے مزید ایک سال کی مہلت دے کر رقم بارہ سو سے پندرہ سو کر دیتا ہے تو اب یہ معاملہ ربا النسیہ بن جائے گا۔

یہ وہ ربا ہے جو بعد میں اضعافاً مضاعفہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ مقروض اپنی ہر چیز گنوا بیٹھتا ہے۔ے اسی کے بارے میں قرآن میں شدید وعید آئی ہے اور اسی کو ظلم قرار دیا گیا ہے۔ (۵)

اپنی شہرہ آفاق تفسیر "المنار" میں وہ سورہ بقرہ کی آیات الربا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "ان آیات میں ے ربا سے مراد جاہلیت کا ربا یعنی ربا النسیہ ہے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص ادھار پر کوئی چیز خریدتا ہے اور پھر اگر وہ معاہدے کے مطابق وقت پر رقم نہ دے سکتا تو وہ دائن سے مزید مہلت مانگتا۔ دائن اسے مزید مہلت دے کر رقم میں اضافہ کر دیتا تھا۔ اس طرح یہ رقم دوگنی چوگنی ہو جاتی تھی۔ سورہ آل عمران میں آیا ہے: "یا ایها الذین آمنوا لا تأكلوا الربا أضعافاً مضاعفة" یہ تحریم ربا کی پہلی آیت ہے۔ اس آیت کی رو سے حرمت ربا مذکورہ شرط اور وصف کے ساتھ مشروط ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت "الذین یأکلون الربا ------" میں بھی جس ربا کا ذکر ہے وہ بھی آل عمران میں مذکور مخصوص ربا پر محمول کیا جانا چاہیے کیونکہ یہ اصولی قاعدہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔" (۶)

ان عبارات سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ رشید رضا کے ہاں ربا اس مرکب سود سے عبارت ہے جو مدت معاہدہ کے اختتام پر مہلتِ ادائیگی میں توسیع کے بدلے

میں رقم کے اضافے سے جنم لیتا ہے۔ ان کے خیال میں حدیث اسامہ "لا ربا الا فی النسیئۃ" اسی ربا کی تائید میں وارد ہوئی ہے۔ (۷)

نقطۂ نظر کا جائزہ

علامہ رشید رضا کی تعبیر ربا کا علمی جائزہ لینے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ان اصولی مسائل اور دلائل کی نشاندہی کر دی جائے جس پر علامہ نے اپنے استدلال کی بنا رکھی ہے:

۱۔ زمانۂ جاہلیت کا ربا مرکب سود کی شکل کا تھا، شریعت نے صرف اسی ربا کو حرام ٹھہرایا ہے۔

۲۔ ابن القیمؒ کے نزدیک مخصوص حالات میں ربا الفضل کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ اضافے کی شرط کے ساتھ قرض کا معاملہ ربا الفضل کی ایک شکل ہے اور جائز ہے۔

۳۔ صرف دوگنا چوگنا سود ہی حرام ہے۔

۴۔ حدیث اسامہ " لا ربا إلاّ فی النسیئة"صرف اسی ربا کو حرام ٹھہراتی ہے جو مہلتِ ادائیگی میں توسیع کے بدلے میں قرض کی رقم میں اضافے سے جنم لیتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت کا سود

علامہ رشید رضا کا یہ دعویٰ کہ زمانۂ جاہلیت میں سود کی صرف وہی شکل تھی جسے انہوں نے بیان کیا ہے، تاریخی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ زمانۂ جاہلیت میں سود کی بہت سی اشکال رائج تھیں جن کی طرف قدیم مفسرین نے اشارہ کیا ہے:

۱۔ ربا کی پہلی شکل یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کو ادھار پر کوئی چیز فروخت کرتا یا اسے کچھ رقم دیتا، جب مدت پوری ہو جاتی اور قرض دار کے پاس ادائیگی کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ قرض میں اضافہ کر کے مہلت حاصل کر لیتا۔

مشہور تابعی مجاہد (م ۱۰۱ھ) کہتے ہیں: **یکون للرجل علی الرجل دین فیقول لک زیادۃ کذا و کذا وتوخرعنی.** (یعنی ایک شخص کا دوسرے شخص پر قرض ہوتا تھا۔ تو قرض دار (ادائیگی نہ کر سکنے کی صورت میں) قرض خواہ سے کہتا: تم مجھے مہلت دے دو تو میں تمہیں

اتنی رقم زیادہ دے دوں گا"۔ (۸)

علامہ طبری (م۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

" إن ربا الجاهلية يبيع الرجل البيع إلى أجل مسمى فإذا حلّ الأجل ولم يكن عند صاحبه قضا، زاده و أخّر عنه"

(جاہلیت کا ربا یہ تھا کہ ایک آدمی دوسرے کو ایک معین مدت تک کوئی چیز بیچتا تھا، جب مدت پوری ہو جاتی اور قرض دار کے پاس ادائیگی کے لیے رقم نہ ہوتی تو وہ قرض میں اضافہ کر کے مہلت حاصل کر لیتا)۔ (۹)

امام بغوی (م ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

" إن أهل الجاهلية كان أحدهم إذا حلّ ماله على غريمه فطالبه فيقول الغريم لصاحب الحق زدني في الإجل حتى أزيدك في المال فيفعلان ذلك"

(جاہلیت کے زمانے میں جب کسی کے مال کی ادائیگی کی میعاد آ جاتی اور وہ اپنے قرض کا مطالبہ کرتا تو اس کا مقروض کہتا: مدت بڑھا دو تو میں تمہارے قرض میں اضافہ کر دوں گا۔ چنانچہ دونوں ایسا معاملہ کر لیتے)۔ (۱۰)

۲۔ دوسری شکل یہ تھی کہ لین دین کی قرارداد میں دائن راس المال پر اضافے کی شرط لگاتا۔ امام جصاص (م ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

"والربا التى كانت العرب تعرفه و تفعله إنما كان قرض الدراهم والدنانير إلى أجل بزيادة على ما استقرض على ما يتراضون به".

(وہ ربا جو عربوں میں معروف و رائج تھا وہ یہ تھا کہ دراہم و دنانیر کو ایک مدت کے لیے قرض دیا جاتا اور باہمی رضامندی کے ساتھ قرض لی ہوئی مقدار پر زیادتی طے کر لی جاتی تھی)۔ (۱۱)

ڈاکٹر جواد علی "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" میں لکھتے ہیں:

" وہ ربا جو عربوں کے یہاں معروف تھا اور جس کا وہ لین دین کرتے تھے وہ یہ تھا کہ درہم و دینار کو ایک مدت کے لیے قرض دیا جاتا اور باہمی رضامندی سے قرض لی ہوئی مقدار پر زائد نفع طے کیا جاتا اور دورِ جاہلیت کا ربا معین

مدت کے لیے مشروط زیادتی کے ساتھ قرض ہوتا تھا جس میں اصل رقم پر زیادتی مدت کا بدل ہوتی تھی''۔ (۱۲)

۳۔ تیسری شکل یہ تھی کہ دائن مقروض سے ہر ماہ ایک متعین رقم لیتا تھا جبکہ راس المال یا اصل زر برقرار رہتا۔

امام رازی (م ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

"وأما ربا النسيئة فهو الأمر الذى كان مشهورا متعارفا بينهم فى الجاهلية و ذلک أنهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرا معينا ويكون رأس المال باقيا ثم إذا حلّ الدين طالب المديون برأس المال، فإن تعذر عليه الأ داء زادوا فى الأجل والحق، فهٰذا هو الربوا الذى كانوا فى الجاهلية يتعاملون به".

(ربا النسیئۃ جاہلیت کے زمانے میں معروف و مشہور تھا۔ اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ لوگ اپنا ادھار مال اس شرط پر لوگوں کو دیتے کہ اتنی مقدار ماہانہ سود دینا ہوگا اور اصل رقم بدستور برقرار رہے گی۔ جب ادائیگی کی میعاد پوری ہو جاتی تو قرض دار سے ادائیگی کا مطالبہ کرتے۔ اگر وہ ادائیگی سے قاصر ہوتا تو میعاد بڑھا دی جاتی اور اس میعاد کے بدلے میں سود بھی بڑھا دیا جاتا۔ یہی وہ ربا تھا جس پر جاہلیت کے زمانے میں معاملات ہوتے تھے)۔ (۱۳)

ان اقوال سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ معاہدہ قرض میں فریقین مدت کے مقابلے میں جس اضافہ پر اتفاق کرتے ہیں وہ بھی ربا النسیئۃ ہے اور قطعی ربا میں داخل ہے۔ اسے ربا الفضل قرار دے کر حرمت کے دائرے سے خارج کرنا درست نہیں۔ ربا کے مذکورہ مفہوم پر پوری اُمت مسلمہ کا اجماع ہے۔

ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

"وقد أجمع المسلمون نقلا عن نبيّهم أن اشتراط الزيادة فى السلف ربا ولو كانت قبضة علف أوحبة"

(مسلمانوں کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی بناء پر اس بات پر اجماع

ہے کہ قرض کے اصل مال پر اضافے اور زیادتی کی شرط لگانا سود ہے، اگرچہ یہ اضافہ ایک مٹھی گھاس اور دانے ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو)۔ (۱۴)

ابن القیم کا نقطۂ نظر

علامہ ابن القیمؒ کے نزدیک ربا دو قسم کا ہوتا ہے۔ ربا جلی اور ربا خفی۔ ربا جلی یا ربا النسیہ جس کا زمانۂ جاہلیت میں عام چلن تھا، اس کی صورت یہ تھی کہ قرض خواہ مقروض کو مہلتِ ادائیگی میں مزید وقت دے کر قرض کی رقم میں اضافہ کر دیتا، یہاں تک کہ وہ سینکڑوں اور ہزاروں تک جا پہنچتا۔ ربا خفی وہ ہے جسے سد الذریعہ کے طور پر منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ الربا الجاہلی کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ ربا الفضل ہے جس کی نشاندہی ابو سعید خدریؓ سے مروی حدیث میں کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک درہم کو دو درہموں کے عوض نہ بیچو کہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم سود خوری میں نہ مبتلا ہو جاؤ'' (۱۵)

ربا کی مذکورہ اقسام بیان کرنے کے بعد علامہ ابن القیم ربا الفضل کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہیں: وہ لکھتے ہیں: '' جو ربا سد الذریعہ اور وسیلے کے طور پر ممنوع ہے، اس کی حرمت اس ربا سے بہرحال کم ہے جو اپنے مقصد اور غرض و غایت کے اعتبار سے حرام ہے۔'' اس فرق کی بناء پر ان کی رائے میں سونے سے بنے ہوئے زیورات جیسے انگوٹھی، چوڑی، کنگن وغیرہ کا سونے کے ساتھ مبادلہ تفاضل کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ایسے مبادلے میں ضروری نہیں کہ اس چوڑی یا کنگن کا مبادلہ ہم وزن سونے سے ہی ہو۔ کیونکہ چوڑی اور کنگن اب صرف سونا ہی نہیں رہا بلکہ اس میں صنعت کا عنصر بھی داخل ہو گیا ہے، جس سے اس کی ہیئت تبدیل ہو گئی ہے۔ (۱۶)

حرمت ربا میں ربا الفضل کی ثانوی حیثیت پر زور دیتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کو سد ذریعہ کے طور پر حرام کیا جاتا ہے وہ راجح مصلحت کی بناء پر جائز ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ شریعت میں نکاح کے خواہشمند لڑکے کو اپنی منگیتر کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے''۔ (۱۷)

ابن القیم ایک درہم کو دو درہموں کے ساتھ تفاضل کے ساتھ بیچنے کی ممانعت والی

حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث میں ربا الفضل سے اس بناء پر منع کیا گیا ہے کہ اس بات کا خدشہ ہے کہ دست بدست لین دین میں اضافہ لینے کے بعد لوگ اگلے مرحلے پر اُدھار میں بھی تفاضل اور زیادتی کے ساتھ آپس میں معاملہ کرنا شروع کر دیں گے جو کہ عین ربا ہے۔

اب ہم علامہ ابن القیم کی ان آراء کا علامہ رشید رضا کی آراء کے ساتھ تقابل کرتے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، علامہ رشید رضا کے نزدیک اگر ایک شخص دوسرے کو ایک ہزار روپے/ پندرہ سو روپے کے عوض قرض پر دیتا ہے تو یہ ربا النسیہ نہیں بلکہ ربا الفضل ہے اور جائز ہے، حالانکہ علامہ ابن لقیم کے نزدیک یہ عین ربا ہے، یعنی حقیقی اور واضح ربا کی شکل ہے۔ ابن القیم اس شکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص جب ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے فروخت کرے گا اور دست بدست لین دین میں نفع لے گا تو اس کا احتمال ہے کہ وہ ادھار میں بھی ایسا کرنے سے نہ چوکے گا اور یہ عین ربا ہے۔(۱۸) اس کے برعکس علامہ رشید رضا یہ کہتے ہیں کہ جو شخص سو پونڈ کسی سے قرض لیتا ہے اور ۱۲۰ پونڈ کی واپسی کا معاہدہ کرتا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے، یہ حقیقی وقطعی ربا نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ علامہ رشید رضا نے علامہ ابن القیم کا نام محض اپنے افکار کو سند جواز فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، ورنہ ان کی فکر کو علامہ ابن القیم کی فکر سے کوئی مناسبت نہیں۔

حرمت سود کا دوگنے چوگنے تک محدود ہونا

علامہ رشید رضا کے نزدیک دوگنا چوگنا ہو جانے والا زمانۂ جاہلیت کا ربا ہی حرام ہے اور اسی کے بارے میں قرآن میں شدید وعید آئی ہے۔ ربا کی یہ شکل آیت "یا أیھا الذین امنوا لا تاکلوا الربا أضعافاً مضاعفة" میں بیان ہوئی ہے جو تحریم ربا پر پہلی آیت ہے۔ بعد میں سورہ بقرہ میں "الذین یاکلون الربا" سے شروع ہونے والی آیات ربا میں اسی مرکب سود کا تذکرہ کیا گیا ہے، دوسرے الفاظ میں سورہ بقرہ کے مطلق ربا کو سورۃ آل عمران کے مقید ربا پر محمول کیا گیا ہے۔

علامہ رشید رضا کا یہ استدلال بھی صریح مغالطہ پر مبنی ہے۔ قرآن کے حکم "دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ" سے قطعی طور پر یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ مفرد یا سادہ انٹرسٹ حرام نہیں۔ قرآن میں کسی جرم کا ذکر کرتے ہوئے عام طور پر ایسی قیود بیان ہوتی ہیں جن کا مقصد جرم کی قباحت اور سنگینی کو نمایاں کرنا ہوتاہے۔ جیسے کہ قرآن میں آیا ہے: "**ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء إن اردن تحصنا**"

اس آیت سے یہ مفہوم اُخذ کرنا کہ اگر وہ پاکدامن نہ رہنا چاہیں تو تم انہیں بدکاری پر مجبور کر سکتے ہو، آیت کی غلط تعبیر ہو گی۔ اسی طرح قرآن میں ارشاد ہوا ہے: "**لا تقتلوا اولادکم خشیة املاق**"[۱۹] اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی اور وجہ سے اولاد کو بے شک قتل کر دو لیکن فقر و فاقہ کے خوف سے نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ یہاں فقر و فاقہ کے خوف کا ذکر عربوں کی اس مکروہ رسم کی کراہت کو ذہن نشین کرانے کے لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور بہانہ یہ بتاتے تھے کہ لڑکیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں، ان پر کیوں پیسہ برباد کیا جائے اور کیوں ان کی پرورش کی جائے۔[۲۰]

علامہ رشید رضا کا استدلال اس بناء پر بھی غلط ہے کہ قرآن نے اصل زر پر ہر زیادتی کو ربا قرار دیا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ کم مقدار میں ہے یا زیادہ مقدار میں۔ قرآن کہتا ہے: "**وان تبتم فلکم رؤوس أموالکم لا تظلمون ولا تظلمون**"[۲۱] اس کا مطلب یہ ہے کہ رأس المال سے جو مقدار بھی زائد ہے، وہ ربا ہے اور ظلم کا ارتکاب ہے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔

حدیث "لاربا الاّ في النسيئة" کا مفہوم

علامہ رشید رضا کا یہ دعویٰ کہ یہ حدیث ان کے ربا کی تائید کرتی ہے ایک بلا دلیل دعویٰ ہے۔ امام شوکانیؒ کا خیال ہے کہ یہ حدیث بنیادی طور پر ربا البیوع کے بارے میں ہے، ربا النسیئہ کے بارے میں نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گندم کے جو کے ساتھ مبادلے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ ایسے مبادلے میں کوئی حرج نہیں۔ ربا صرف تاخیر یا ادھار کی صورت میں ہے۔ گویا کہ حضرت اسامہ

نے گفتگو کا پہلا حصہ نہیں سنا جس میں گندم اور جو کے مبادلے کا ذکر کیا گیا تھا۔ اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ''ربا صرف تاخیر یا ادھار میں ہے'' سنا، اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ربا صرف ربا النسیئۃ ہے۔ (۲۲)

تاہم اگر یہ تاویل درست نہ بھی ہو اور حدیث کا مقصد ربا کو ''ربا النسیئۃ'' ہی میں محصور کرنا ہو، تب بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی معاہدے میں راس المال پر اضافہ سود نہیں۔ حدیث اسامہ سے تو یہ شکل بھی ربا ہی کے دائرے میں آتی ہے کیونکہ یہ بھی مدت کے مقابلے میں راس المال پر اضافہ ہے۔ چنانچہ ربا النسیۃ میں اصل زر پر ہر اضافہ شامل ہے چاہے وہ قرض کا معاہدہ کرتے وقت قرارداد معاہدہ میں شامل کیا گیا ہو یا ادائیگی کے وقت اسے معاہدے میں شامل کیا گیا ہو۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا تصورِ ربا

بیسویں صدی کے ایک اور ممتاز دانشور ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں میں کمرشل انٹرسٹ کی اہمیت اور جواز کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے ربا اور انٹرسٹ کے فرق پر ۱۹۶۳ء میں ایک مقالہ تحریر کیا۔ (۲۳) جس پر ملک کے اہل علم میں ربا کے موضوع پر ایک بحث و تمحیص کا سلسلہ چل پڑا۔ ڈاکٹر صاحب کا تصور ربا اس تصور کے بہت قریب ہے جس کا اظہار ان سے قبل مولانا جعفر شاہ پھلواروی اور سیّد یعقوب شاہ اپنی تحریروں میں کر چکے ہیں۔ (۲۴) ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن میں جس ربا کا ذکر ہے اس کا اطلاق کمرشل انٹرسٹ یا بینکنگ انٹرسٹ پر نہیں ہوتا۔ ذیل میں ہم ڈاکٹر صاحب کے تصور ربا کا تفصیل سے جائزہ لیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کے مقالہ ''تحقیق ربا'' کے اہم مباحث درج ذیل ہیں:

۱۔ ربا ایک ایسا جاہلی معاشی نظام تھا جس میں سود در سود کے طریق عمل سے راس المال کی مقدار اضعافاً مضاعفہ یعنی دو چند سہ چند بڑھ جاتی تھی۔

۲۔ زمانہ جاہلیت کا سود اضعافاً مضاعفہ ہونے والا سود تھا۔ یعنی اس کی امتیازی خصوصیت اس کا چند در چند ہو جانا تھا۔

۳۔ اس چند در چند سود کے عمل کی وجہ سے قرآن نے ربا کو عادلانہ تجارتی کاروبار کی ایک قسم تسلیم کر دینے سے انکار کر دیا۔

۴۔ معاہدہ قرض کی پہلی مدت کا سود ربا نہیں ہے۔ میعاد قرض کے اختتام پر قرض دار مزید مہلت کے بدلے جو اضافہ قرض خواہ کو دیتا ہے وہ ربا ہے۔

۵۔ ربا النسیئۃ ہی ربا ہے۔ ربا الفضل کے ربا ہونے پر صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہے۔ صحابہ کی ایک بڑی تعداد اس کے وجود سے ناواقف تھی۔

۶۔ ربا الفضل کی احادیث میں کئی ایسی الجھنیں ہیں جنھیں سلجھانا مشکل ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن لکھتے ہیں:

> ”جیسا کہ ہم اُوپر بیان کر آئے ہیں، سونے، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک میں دست بدست تبادلہ بھی اگر زیادتی کمی کے ساتھ ہو تو بہت سی احادیث کی رُو سے یہ ربا ہے اور اسی کو ربا الفضل کہا گیا ہے اس کی رُو سے قسم اوّل کے سیر بھر گندم کے بدلے میں سوا سیر قسم دوم کا لین دین ربا ہوگا۔ اسی طرح لاہوری نمک اور کراچی کے نمک کا تبادلہ، خواہ دست بدست ہو، برابر ہونا چاہیے، ورنہ ربا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے ہی معاملات کے لیے قرآن نے خدا اور رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ کا الٹی میٹم دیا ہے؟ کیا اسی لین دین پر وہ حدیثیں صادق آتی ہیں جن میں ربا کو اپنی ماں سے زنا کے برابر بتایا گیا ہے۔؟“ (۴۵)

احادیث کے ذخیرے میں ان کے بقول جو ناقابل حل الجھنیں پائی جاتی ہیں اس کی ایک مثال سنن بیہقی کا باب **"لا ربا فی ما خرج فی الماکول والمشروب والذھب والفضۃ"** (کھانے پینے کی چیزوں اور سونے چاندی سے باہر کسی چیز میں ربا نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں ”گویا پاکستان کی معاشیات کا بیشتر انحصار جن اشیاء پر ہے یعنی کپاس اور جوٹ ان کے معاملے میں ربا کا کوئی ڈر نہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ آج کے فقہاء یہ فرمائیں کہ جوٹ کو سنہری ریشہ اور کپاس کو نقرئی دولت کہا جاتا ہے، اس لیے یہ دونوں بھی سونے اور چاندی کے ذیل میں آتے ہیں۔ یہی حال ایران و عرب

ممالک کے پٹرول کا بھی ہوگا کیونکہ اسے سیال سونا کہا جاتا ہے۔ لیکن جانوروں کی کھالوں کے بارے میں کیا تفقہ ہوگا کیونکہ وہ بھی ہماری ملکی دولت کا ایک بڑا ذریعہ ہیں؟"(۲۶)

۷۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ابوبکر جصاص کی تعریف ربا "**هو القرض المشروط فيه الأجل و زيادة مال على المستقرض**"(۲۷) (وہ قرض جو کسی میعاد کے لیے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا راس المال پر کچھ زیادتی ادا کرے گا) سے متفق نہیں کہ وہ جامع و مانع نہیں۔ ان کے نزدیک صحیح تعریف ربا یہ ہے: "ادائیگی قرض کی مقررہ مدت میں تاخیر کے عوض میں راس المال پر اتنا اضافہ جس سے وہ **اضعافاً مضاعفه** ہو جائے وہ ربا ہے" (۲۸)

۸۔ ان کے خیال میں حدیث "**كل قرض جر نفعا**" (ہر وہ قرض جو دائن کے لیے نفع کھینچ لائے رباہے) "حسن قضا" والی احادیث سے متصادم ہے۔ وہ لکھتے ہیں: تعریف زیر بحث (ابوبکر جصاص کی تعریف ربا اور اس پر مبنی مولانا مودودی اور مفتی شفیع صاحب کی تعریفات) مانع نہیں کیونکہ صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل احادیث کی رو سے قرض پر ادائیگی کے وقت زیادتی ربا نہیں بلکہ حدیث کے الفاظ میں "حُسن قضا" ہے۔ امام مسلم نے اس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے: "**باب من استلف شيئا فقضىٰ خيرا منه و خيركم أحسنكم قضاء**" (باب جس نے کوئی چیز قرض لی اور اس سے بہتر لوٹا دی اور یہ کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو قرض کی ادائیگی کے وقت سب سے اچھا ہو)۔ (۲۹)

۹۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب ابن العربی کی تعریف ربا "وہ زیادتی جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو"(۳۰) سے بھی متفق نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اشتراکی مدرسہ فکر کی اصطلاح (Universal Income) کی بازگشت ہے۔ لیکن یہ تعریف قبول کرنے کے بعد مضاربت کی کیا صورت جواز رہتی ہے۔

۱۰۔ معاشرے کی اصلاح کیے بغیر بینکوں کے منافع کو منسوخ کر دینے اور قرض حسنہ پر معاشی نظام کی بنیاد رکھنے کی دعوت دینا معاشی موت کو بلانا ہے۔(۳۱) ایسا کرنا ملک

کی اقتصادی زندگی اور امت کی لمعاشی بہبود کے لیے مہلک اور خلاف منشائے قرآن و سنت ہے۔

۱۱۔ زمینداری اور جاگیرداری، نفع خوری اور ذخیرہ اندوزی بینکوں کے منافع (Bank Interest) کی نسبت ''ربائے جلی'' سے کہیں قریب تر ہیں۔ محض لفظی التباس کی بناء پر اس کے خلاف اجتہاد کرنا وہ غلطی ہے جس کی طرف ابوبکر جصاص نے اشارہ کیا ہے یعنی کسی کاروباری معاملے کو حرام قرار دینے کے لیے کسی اصطلاح شرعی سے عام استدلال کرنا درست نہیں، الّا یہ کہ اس بات کی دلیل قائم ہو جائے کہ وہ خاص کاروباری معاملہ شرعی اصطلاح کا مراد (مدلول) ہے۔ (۳۲)

مذکورہ نقطۂ نظر پر تبصرہ

ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے مقالے میں جو اہم فقہی امور زیرِ بحث آئے ہیں ان پر مختصراً تبصرہ حسب ذیل ہے:

ربا کی تعریف

ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے اس نقطۂ نظر سے اختلاف کیا ہے کہ عرب میں سود کا معاملہ اس طور پر ہوتا تھا کہ ایک معین رقم معین مدت کے لیے ایک معین شرح سود پر دی جاتی تھی۔ قرض خواہ اگر رقم مع سود میعاد مقررہ پر ادا کر دیتا تو معاملہ ختم ہو جاتا تھا اور اگر ادا نہ کر سکتا تو آئندہ کے لیے مزید سود کا معاملہ کیا جاتا تھا۔ (۳۳)

ان کے خیال میں جاہلیت کے ربا کی وضاحت وہ حدیث کرتی ہے جو موطا امام مالک میں حضرت زید بن اسلمؓ نے روایت کی ہے۔ وہ روایت اس طرح ہے:

''كان الربا فى الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل الحق إلى أجل، فاذا حل الحق قال أتقضى أم تزيد؟ فإن قضاه أخذ والاّ زاده فى حقه وزاده الآخر فى الأجل''. (۳۴)

(جاہلیت میں ربا یہ تھا کہ کسی شخص کا کسی دوسرے پر قرض کسی مدت کے لیے واجب ہوتا تو جب مدت ختم ہو جاتی تو قرض خواہ قرض دار سے پوچھتا کہ تم

ادا کرو گے یا بڑھاؤ گے؟ اور اگر وہ ادا کر دیتا تو وہ وصول کر لیتا۔ ورنہ اپنے قرض کی رقم میں اور قرض دار کی مہلت ادائیگی میں اضافہ کر دیتا)۔

اس روایت کی بناء پر انہوں نے ابوبکر جصاص کی مشہور تعریف ربا کو قبول نہیں کیا۔ ابوبکر جصاص کی تعریف ربا یہ ہے:

"هو القرض المشروط فيه الأجل و زيادة مال على المستقرض"(۳۵)

(یعنی وہ قرض جو کسی میعاد کے لیے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا رأس المال پر کچھ زیادتی ادا کرے گا)

مذکورہ حدیث اور آیت **"لا تأكلوا الربا أضعافا مضاعفه"** کی روشنی میں انہوں نے ربا کی تعریف یوں کی ہے: ادائیگی قرض کی مقررہ مدت میں تاخیر کے عوض میں راس المال پر اتنا اضافہ جس سے وہ اضعافاً مضاعفہ ہو جائے ربا ہے۔(۳۶)

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن میں **اضعافاً مضاعفه** یا چند در چند سود کی حرمت کا مقصد کم مقدار کے سود کی حلت نہیں۔ **اضعافاً مضاعفه** کے ذکر کرنے کا مقصد تو جرم کی شفاعت اور قباحت کو نمایاں کرنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تصور ربا کو ثابت کرنے کے لیے زید بن اسلم کی جس روایت کا سہارا لیا ہے اس سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جاہلیت کا ربا صرف اسی ایک طریقے تک محدود تھا۔ علامہ رشید رضا کے تصور ربا کا جائزہ لیتے ہوئے ہم نے بہت سی روایات نقل کی ہیں جو کہ ثابت کرتی ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ابتدائی معاہدہ قرض میں بھی اضافہ کی شرط عائد کی جاتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے چند در چند سود یا **اضعافاً مضاعفه** پر اصرار کی غالبًا وجہ یہ ہے کہ وہ اس سے بینک کے سود کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ صفت بینکنگ انٹرسٹ میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔(۳۷) ڈاکٹر صاحب نے ابن العربی کی تعریف ربا پر تنقید کی ہے ان کے خیال میں اس تعریف کو قبول کر لینے کے بعد مضاربت کے منافع کو جائز قرار دینے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتی۔ ہمارے خیال میں یہ ایک صریح خلط مبحث ہے۔ ربا اور مضاربت کے درمیان کیا مماثلت ہے کہ ان کے درمیان تقابل کیا جائے۔ معاملۂ مضاربت میں رب المال نفع کا حقدار اس بنا پر بنتا ہے کہ وہ اس کاروبار کا نقصان انگیز کرتا ہے، مشہور حدیث نبوی ہے:

"الخراج بالضمان" (یعنی تم اس چیز کا فائدہ اٹھا سکتے ہو جس کے ممکنہ نقصان کی تلافی اور بوجھ تمہارے ذمے ہے یا یہ کہ نفع کا حقدار انسان اسی وقت بنتا ہے جب وہ نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار ہو)۔ لہذا مضاربت میں رب المال کا نفع ایسی کمائی نہیں جو بلاعوض ہو۔ یہ کمائی رب المال کے راس المال اور خطرہ انگیز کرنے کی استعداد کے مقابلے میں ہے۔ اس کے برعکس بینک کا انٹرسٹ بلاشبہ ایک (Unearned income) ہے۔ بینک اپنے قرض دھندہ تاجر کے کسی نقصان میں شریک نہیں ہوتا۔ اپنے راس المال اور سود کا ہر حال میں تقاضا کرتا ہے، چاہے اس کا کاروبار چلے یا نہ چلے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ قرض دھندہ کا پیسہ ڈوب گیا ہے۔ اسے نقصان ہوا ہے یا اس کا پیسہ چوری ہو گیا ہے۔ وہ ہر حالت میں پہلے سے طے شدہ شرح کے مطابق سود وصول کرتا ہے۔ لہذا یہ ایک ایسا منافع ہے جس کے مقابل کوئی عوض نہیں۔

ربا الفضل کا مفہوم

ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب گو کہ احادیث ربا الفضل کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں تاہم ربا الفضل کو ربا تسلیم کرنے میں انہیں تأمل ہے۔ اس کی ان کے نزدیک کئی وجوہ ہیں:

۱۔ صحابہ کرام کی ایک تعداد ربا کو ربا النسیئہ تک محدود سمجھتی تھی۔ وہ ربا الفضل کو ربا تسلیم نہیں کرتی تھی۔

۲۔ حدیث "انما الربا فی النسیئة" کے مطابق ربا صرف ربا النسیئہ ہے۔

۳۔ احادیث ربا الفضل میں کئی ایسی الجھنیں ہیں جن کا سلجھانا مشکل ہے۔

اب ہم ان نکات کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا یہ موقف غلط ہے کہ صحابہ کی ایک معقول تعداد ربا الفضل کو ربا تسلیم نہیں کرتی تھی۔ امر واقع یہ ہے کہ صرف عبداللہ ابن عباسؓ کے حوالے سے یہ روایت ملتی ہے کہ وہ ابتداء میں حدیث اسامہؓ کی بناء پر دست بدست لین دین میں سود کے قائل نہیں تھے۔ تاہم بعد میں ابوسعید خدریؓ سے مروی احادیث کی بناء پر انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباسؓ نے جب حضرت عمر بن

الخطابؓ اور ان کے بیٹے عبداللہ ابن عمرؓ سے ربا الفضل کی حرمت کے بارے میں سنا تو آپ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اپنے سابقہ موقف پر خدا سے استغفار کیا۔ وہ کہتے ہیں: آپ دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ سنا جو میں نے نہیں سنا۔ پھر آپ نے کہا: میری پہلے جواز کی رائے تھی لیکن میں نے ابو سعید خدریؓ سے ربا الفضل کی حرمت کے بارے میں سنا ہے۔(۳۸) ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ ابو الجوزاء نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کو نقد معاملات میں تفاضل کا فتویٰ دیتے سنا پھر مجھے یہ خبر پہنچی کہ انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہے۔ میں ان سے مکہ میں ملا اور پوچھا کہ کیا وہ واقعی اپنی رائے سے رجوع کر چکے ہیں؟۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ ہاں۔ پہلے میری یہی رائے تھی۔ لیکن میں نے ابو سعید خدریؓ سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمﷺ نے نقد معاملات میں تفاضل سے منع کیا ہے۔(۳۹)

جابر بن زیدؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباسؓ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے صرف اور متعہ کے بارے میں اپنی رائے سے رجوع کر چکے تھے۔(۴۰)

۲۔ حدیث **"انما الربا فی النسیئہ"** یا **"لا ربا الا فی النسئة"** کے حوالے سے علماء کی مختلف آراء ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ وہ ابو سعید خدریؓ کی حدیث **"لا تبیعوا الذهب بالذهب إلا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها علی بعض ولا تبیعوا الورق بالورق إلا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضها علی بعض ولا تبیعوا منها غائبا بناجز".**(۴۱) (ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو مگر جوں کا توں۔ کوئی کسی کو زیادہ نہ دے۔ اور نہ غائب کا تبادلہ حاضر سے کرو) سے منسوخ ہو چکی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں ہماری یہی رائے ہے کیونکہ یہ صرف سے متعلق احادیث کے مطابق ہے۔(۴۲)

امام نووی فرماتے ہیں کہ ''حدیثِ اسامہ کے ظاہر پر عمل نہ کرنے کے سلسلہ میں مسلمانوں کا اجماع ہے۔ یہ اجماع اس کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے''۔(۴۳)

دوسری رائے یہ ہے کہ ابو سعید خدریؓ کو حدیث اسامہ پر کثرت رواۃ کی بناء پر ترجیح حاصل ہے۔ ربا الفضل پر احادیث ابوبکرؓ، عثمانؓ، ابوہریرہؓ، ہشام بن عامرؓ، البراءؓ،

زید بن ارقمؓ، فضالہ بن عبیدؓ، ابی بکرہؓ، ابن عمرؓ، ابو الدرداءؓ، اور بلالؓ سے مروی ہیں۔ (۴۴)

شوکانی فرماتے ہیں: ''اگر حدیث اسامہ کا حدیث ابوسعید خدری سے تعارض کسی طور پر دُور نہ ہو سکے تو جو حدیث ایک بہت بڑے گروہ سے مروی ہے اسے اس حدیث پر ترجیح دی جائے گی جو ایک فرد سے ثابت ہے۔ (۴۵)

تیسری رائے یہ ہے کہ حدیث اسامہ میں راوی نے حدیث کا صرف ایک حصہ نقل کیا ہے، مکمل حدیث ربا الفضل کے بارے میں ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے گندم کے گندم کے تفاضل کے ساتھ تبادلے سے منع فرمایا تو سائل نے پوچھا کہ گندم کے جو کے ساتھ تبادلے کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تفاضل میں کوئی حرج نہیں، ''ربا صرف ادھار میں ہوگا''۔ امام شافعیؒ نے اس کی توجیہ یوں کی ہے۔ (۴۶)

۳۔ ربا الفضل کے حوالے سے تیسری اہم بات یہ ہے کہ ربا کی اس قسم کو سدالذریعہ کے طور پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں زیادتی کو اس وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس سے زیادہ ستانی کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے، جس کا آخری ثمرہ سود خواری ہے۔ (۴۷)

ابن القیم کے نزدیک چونکہ ربا النسیئۃ کی تحریم مقصود بالذات ہے، اور ربا الفضل کی سدالذریعہ کے طور پر ہے، لہذا موخر الذکر کی حرمت کا درجہ مقدم الذکر کی حرمت سے کم ہے۔ علامہ ابن القیم کے اس بیان سے یہ نتیجہ یاخذ کیا جا سکتا ہے کہ ربا الفضل وہ ربا نہیں ہے جس کے ارتکاب پر قرآن نے خدا اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا الٹی میٹم دیا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کو یہ الجھن ہے کہ قسم اوّل کی سیر بھر گندم کے بدلے میں سوا سیر قسم دوم کی گندم کا لین دین کیوں ربا ہے؟ اور یہ کہ کپاس اور جوٹ کے معاملے میں کیوں ربا نہیں؟

یہ اور اس طرح کی بہت سی الجھنیں ہمارے خیال میں اس دور کے نظامِ معیشت سے ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی معیشت بنیادی طور پر کرنسی کے بجائے جنس کے ساتھ جنس کے ساتھ تبادلے پر مبنی معیشت تھی۔ گو کہ درہم و دینار کا بھی مارکیٹ

میں چلن تھا۔ اس طرح کی بارٹر معیشت میں عام طور پر چیزوں کی حقیقی قدر کا تعین مشکل ہوتا ہے۔ ایسی معیشت میں احتمال رہتا ہے کہ دو چیزوں کی نوعیت کے درمیان حقیقی فرق کو جاننے والا شخص ایک ناواقف شخص کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے اپنی اعلیٰ جنس کے بدلے ادنیٰ جنس کی بہت بڑی مقدار وصول کر لے جبکہ فی الواقع دونوں قسموں کے درمیان فرق اتنا نہ ہو جتنا اس نے وصول کیا ہے۔ لہذا اس ممکنہ استحصال کا دروازہ بند کرنے کے لیے شارع نے تفاضل کے ساتھ ایسے لین دین کو ممنوع قرار دیا تاکہ چیزوں کے درمیان فرق کو استحصال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ تاہم چیزوں کے فرق اور اس کی بناء پر ان کی مختلف قدر متعین کرنے کو بھی نظرانداز نہیں کیا۔ ابو سعید خدریؓ سے مروی درج ذیل حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے۔

عن أبی سعید و أبی هریرة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاءه بتمر جنیب فقال أکل تمر خیبر هکذا، قال لا والله یا رسول الله انّا نأخذ الصاع من هذا بصاعین والصاعین بالثلاث. فقال: لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنیبا وقال فی المیزان مثل ذلک.(۴۸)

(ابو سعید اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا تحصیل دار مقرر کر کے وہاں بھیجا۔ وہ وہاں سے (مال گزاری میں) عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر آیا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ، ہم جو ملی جلی کھجوریں وصول کرتے ہیں انہیں کبھی دو صاع کے بدلے ایک صاع کے حساب سے اور کبھی تین صاع کے بدلے دو صاع کے حساب سے ان اچھی کھجوروں سے بدل لیا کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ پہلے ان مخلوط کھجوروں کو درہموں کے عوض فروخت کرو، پھر اچھی قسم کی کھجوریں درہموں کے عوض خرید لو۔یہی بات آپ نے وزن کے حساب سے مبادلہ کرنے کی صورت میں بھی ارشاد فرمائی)۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر دو ہم جنس چیزوں کی نوعیت میں فرق ہو تو

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی اعلیٰ جنس کی چیز کو روپوں کے بدلے میں مارکیٹ میں بیچ دیے اور پھر ان روپوں سے ادنیٰ جنس خرید لے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں اعلیٰ اور ادنیٰ چیز کے درمیان مبادلہ روپوں کے ذریعہ ہو۔ اس اصول کی روشنی میں اگر ہم ایک سیر اعلیٰ گندم کا سوا سیر گندم کے ساتھ تبادلہ کریں تو یہ تبادلہ اس بناء پر درست ہوگا کہ اب اشیاء کی قدر کا تعین کرنسی نوٹ کرتے ہیں۔ چیزوں کی حقیقی قدر کے تعین میں اب کوئی دقت نہیں رہی۔ اب اگر کوئی شخص ایک سیر قسم اوّل گندم کا تبادلہ سوا سیر قسم دوم گندم سے کرتا ہے تو گویا اس نے پندرہ روپے سیر والی گندم مارکیٹ میں بیچی پھر ان پندرہ روپوں سے اس نے بارہ روپے سیر والی گندم کے سوا سیر خرید لیے تو یہ لین دین حدیث ابو سعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ میں مجوزہ طریق کار کے عین مطابق ہے اور بالکل درست ہے۔ ان دو جنسوں کے تبادلے میں تفاضل کسی طور پر بھی ربا میں نہیں آتا۔ اسی طرح اگر ایک شخص کے پاس بتیس روپے سیر والے دو سیر چاول ہیں اور وہ سولہ روپے سیر والے چاولوں سے ان کا تبادلہ کرنا چاہتا ہے تو وہ دو سیر کے بدلے میں چار سیر لے سکتا ہے کیونکہ یہ صورت بالواسطہ تبدیلی ہے۔ یعنی گویا اس نے بتیس روپے والے چاول مارکیٹ میں چونسٹھ روپے کے بیچے پھر ان رویوں سے اس نے سولہ روپے والے چار سیر خرید لیے۔ اس طرح ربا الفضل کے حوالے سے لاہوری نمک اور کراچوی نمک کے تبادلے کا جو اشکال ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے پیدا کیا ہے، وہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

ربا الفضل کے حوالے سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے ایک اور سوال اٹھایا ہے کہ کپاس، پٹ سن، پٹرول اور کھالیں کیوں ربا الفضل کی حرمت سے باہر ہیں، اس کا ایک جواب تو اُوپر گزر چکا ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کا تبادلہ اس صورت میں تفاضل کے ساتھ جائز ہے جب دونوں کی قیمتیں واضح طور پر مارکیٹ میں متعین ہوں، ایسی صورت میں یہ مبادلہ روپوں کے توسط سے سمجھا جائے گا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ بعض دوسری احادیث کی رو سے ربا الفضل کا دائرہ صرف کھانے پینے کی چیزوں تک محدود نہیں بلکہ وزن و کیل سے بیچی جانے والی تمام چیزیں ربوی اموال ہیں، حدیث کے الفاظ ہیں: ''ماوزن مثلا بمثل إذا کان نوعا واحدا وما کیل فمثل ذلک،

فإذا اختلف النوعان فلا بأس به"(۴۹) اس حدیث کی رو سے ربا وزن اور کیل سے بیچی جانے والی ہر چیز میں واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی دو ہم جنس چیزوں کا باہمی تبادلہ تفاضل کے ساتھ جائز نہیں۔ اس حدیث کی رو سے کپاس، پٹ سن، پٹرول وغیرہ سب ربوی اموال ہیں جن میں ربا واقع ہوتا ہے۔

''کل قرض جرنفعا'' کا حدیث ''حسن قضا'' کے ساتھ تعارض

ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ قرض لوٹاتے وقت اصل پر اضافہ فرماتے تھے اور اسے حُسن قضا قرار دیتے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرض پر اضافہ دینا نیکی کا عمل ہے۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ اگر اصل قرض پر اضافہ حسن قضا ہے تو پھر "کل قرض جرّ نفعا فهو ربٰا" کا کیا جواز ہے؟۔ "کل قرض جرنفعا" کا تقاضا تو یہ ہے کہ اصل قرض پر ہر اضافہ ربا قرار دیا جائے۔ اس طرح ان کے خیال میں دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

امر واقع یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرض پر جو اضافہ دیا وہ رضاکارانہ تھا، معاہدے کا حصہ نہ تھا۔ قرض پر اضافہ صرف اسی صورت میں ربا بنتا ہے جب وہ معاہدۂ قرض کا حصہ ہو، یعنی معاہدے کی ایک لازمی شرط ہو۔ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرض دہندہ کے لیے جائز ہے کہ وہ قرض خواہ اصل قرض سے زیادہ دے بشرطیکہ وہ اضافہ معاہدے کی شرط نہ ہو۔(۵۰)

ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہروہ قرض کا معاملہ جس میں یہ شرط عائد کی گئی ہو کہ قرض دہندہ اضافہ دے گا وہ بالاتفاق حرام ہے۔ لیکن اگر اس نے بغیر کسی شرط کے قرض دیا اور قرض دہندہ نے مقدار یا نوعیت کے لحاظ سے بہتر چیز لوٹائی تو یہ جائز ہے"۔(۵۱)

"تکملة المجموع شرح المهذب" میں آیا ہے: ایسا قرض جائز نہیں جو قرض خواہ کے لیے منفعت کھینچے اگر وہ منفعت شرط معاہدہ ہو۔ لیکن اگر قرض دہندہ نے خود کوئی اضافہ دیا یا اچھی چیز لوٹائی تو یہ نبی ﷺ کے اس قول کے مطابق جائز ہے۔ ''تم میں بہتر وہ ہے جو اچھی ادائیگی کریں''۔(۵۲)

ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کی آراء سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ربا کے حوالے سے حدیث کے لٹریچر کا علمی انداز میں مطالعہ نہیں کیا۔ وہ ایک طرف تو احادیث میں معارضے اور ان کے ناقابل فہم ہونے کا اشارہ کرتے ہیں اور دوسری طرف اسی لٹریچر پر انحصار کرتے ہوئے ایسی احادیث لینے میں کوئی تأمل نہیں محسوس کرتے جو ان کے پہلے سے بنے بنائے موقف کی تائید کرتی ہوں۔ ربا الفضل پر احادیث کی صحت پر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس کے باوجود ان کا میلان ربا الفضل کو قبول نہ کرنے کی طرف ہے۔ اس کے مقابلے میں حدیث اسامہ جو کئی علماء کے نزدیک منسوخ ہے، اس بناء پر ان کے نزدیک لائق اعتبار ہے کہ اس سے وہ اپنی تعبیر ربا کے لیے استدلال کر سکتے ہیں۔ حدیث "کل قرض جرّ نفعا فھو ربا" بھی ان کے نزدیک اس بناء پر مشکوک ہے کہ اس سے ان کے استدلال کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ حدیث "کل قرض جرّ نفعا" کا لازمی تقاضا ہے کہ اصل زر پر ہر اضافہ ربا قرار پائے خواہ یہ اضافہ ابتدائی معاہدہ قرض کا حصہ ہو یا اختتام معاہدہ کے وقت ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں مہلت کے عوض قرض دہندہ سے طلب کیا جائے۔ وہ چونکہ قرار داد معاہدہ میں راس المال پر مشروط اضافے کو ربا نہیں سمجھتے لہذا ایسی ہر حدیث کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں جس سے ان کا مذکورہ موقف کمزور پڑتا ہو۔ اس کے برعکس "حسن قضا" والی احادیث پر وہ زور دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے راس المال پر اضافے کی گنجائش نکلتی ہے۔

علامہ رشید رضا کا بھی تقریباً یہی طریقہ استدلال ہے۔ انہوں نے بھی تفاسیر و احادیث سے صرف وہ حصہ لیا ہے جس سے وہ اپنے چند در چند (اضعافاً مضاعفہ) ربا والے موقف کے حق میں استدلال کر سکیں۔ اس کوشش کے پیچھے ان حضرات کی یہ خواہش کارفرما ہے کہ کمرشل انٹرسٹ یا بینک کے منافع کو سود کی حرمت سے باہر رکھا جائے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ربا کی متداول تعریفات کو مسترد کر دیا جائے اور ایک ایسی تعریف وضع کی جائے جو ربا کو ایک خاص شکل (یعنی اضعافاً مضاعفہ) میں منحصر کر دے۔

حواشی

۱۔ ان حضرات کے نقطہ ہائے نظر جاننے کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر عمر بن عبدالعزیز المترک، الربا والمعاملات المصرفیۃ فی نظر الشریعۃ الاسلامیۃ، دارالعاصمۃ، ریاض، طبع اوّل ۱۴۱۴ھ، ص ۱۹۳، مسعود محمد ربیعہ، تحول المصرف الربوی إلی المصرف الاسلامی، کویت، منشورات مرکز المخطوطات ۱۹۹۲ء، ص ۶۱ تا ۷۹۔

۲۔ یہ نقطۂ نظر علامہ رشید رضا، علامہ عبدالعزیز جاویش، ڈاکٹر فضل الرحمٰن وغیرہ کا ہے۔

۳۔ یہ نقطۂ نظر ڈاکٹر معروف دوالیبی، استاذ مصطفیٰ زرقا، مولانا جعفر شاہ پھلواروی، جسٹس قدیر الدین اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن وغیرہ کا ہے۔

۴۔ یہ نقطۂ نظر علامہ محمد رشید رضا، علامہ عبدالوہاب خلاف، علامہ علی خفیف، علامہ عبدالعزیز جاویش کا ہے۔

۵۔ الربا والمعاملات فی الاسلام، ص ۸۳، ۸۴

۶۔ فتاوی محمد رشید رضا، تحقیق ڈاکٹر صلاح الدین منجد و یوسف خوری، جلد دوم، طبع اوّل، بیروت، دارالکتاب الجدید، ۱۹۷۰ء، ص ۶۰۸

۷۔ حوالہ مذکورہ بالا۔

۸۔ سورہ آل عمران: آیت ۱۳۰

۹۔ تفسیر المنار، جزو ثالث، ص ۱۱۳، ۱۱۴

۱۰۔ الربا و المعاملات فی الاسلام، ص ۵۲، ۵۳

۱۱۔ تفسیر مجاہد مع تعلیق عبدالرحمٰن السورتی، طبع بیروت، جلد ۱، ص ۱۱۷

۱۲۔ طبری، جامع البیان، جلد ۳ ص ۱۰۱، دارالفکر۔

۱۳۔ بغوی، معالم التنزیل، طبع ریاض ۱۴۰۹ھ، جلد ۱، ص ۳۴۱

۱۴۔ ابوبکر جصاص، احکام القرآن، بیروت، دارالکتاب العربی، ۱۳۵۵ھ، جلد ۱، ص ۴۶۵

۱۵۔ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، مکتبۃ النہضۃ، بغداد، جلد ۷، ص ۴۱۹-۴۲۰

۱۶۔ تفسیر کبیر، طبع مصر ۱۹۳۸ء، جلد ۷، ص ۹۱

۱۷۔ ابن عبدالبر، التمہید، طبع لاہور ۱۹۸۳ء، جلد ۴، ص ۶۸

۱۸۔ ابن القیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین، طبع اول، قاہرہ، المکتبہ التجاریۃ الکبری، ۱۹۵۵ء، حصہ دوم، ص ۱۳۵، ۱۳۶

۱۹۔ اعلام الموقعین، حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۱

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۶

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔

۲۴۔ دیکھیے: ڈاکٹر محمود احمد غازی، حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۶۳ء، ص ۴۲، ڈاکٹر عمر بن عبدالعزیز، المترک، دارالعاصمۃ، ریاض، طبع اوّل، ۱۴۱۴ھ، ص ۱۹۷، ۱۹۸۔

۲۵۔ سورۃ البقرہ: ۲۷۵

۲۶۔ شوکانی، نیل الاوطار، قاہرہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۷۱ء، جلد۵، ص ۲۱۶

۲۷۔ دیکھیے: تحقیق ربا، فکر و نظر، جلد۱ شمارہ ۵، نومبر ۱۹۶۴ء

۲۸۔ دیکھیے: مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی، کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، پاکستان، طبع اوّل، ۱۹۵۹ء۔

۲۹۔ تحقیق ربا، فکر و نظر، حوالہ سابقہ، ص ۷۶

۳۰۔ حوالہ سابق ص ۷۷

۳۱۔ تحقیق ربا، فکر و نظر، ص ۹۸

۳۲۔ حوالہ مذکور ص ۸۵

۳۳۔ امام مالک ابن انس، الموطا، کتاب البیوع نمبر ۳۸

۳۴۔ احکام القرآن، جلد۱، ص ۴۶۹

۳۵۔ تحقیق ربا، فکر و نظر، حوالہ سابق ص ۹۸

۳۶۔ سیّد قطب ''فی ظلال القرآن'' میں لکھتے ہیں: امر واقع ہے کہ چند در چند سود (اضعافاً مضاعفہ) کی صفت صرف جاہلی ربا ہی کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ ہر قابل نفرت سودی نظام کا ایک جزو لاینجزا

ہے، قطع نظر اس کے کہ انٹرسٹ یا سود کی شرح کتنی ہے۔ فی ظلال القرآن، جلد ا، ص ۴۷۳

۳۷۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۳۵۰۸، جلد ۳، ص ۷۷۷

۳۸۔ شوکانی، نیل الأوطار، جلد ۵، ص ۲۱۷، صنعانی، سبل السلام، جلد ۶، ص ۳۵

۳۹۔ سنن بیہقی، جلد ۵، ص ۲۸۰، سبکی، تکملۃ المجموع جلد ا ص ۴۳

۴۰۔ سرخسی، المبسوط جلد ۱۲، ص ۱۱۱، ۱۱۲

۴۱۔ صنعانی، سبل السلام، بیروت، دارالفکر ۱۹۳۸ء، جلد ۳، ص ۳۷

۴۲۔ شافعی، الام، جلد ۳، ص ۱۲

۴۳۔ نووی، شرح صحیح مسلم، جلد ۷، ص ۲۲

۴۴۔ سبکی، تکملۃ المجموع، مکتبہ زکریا علی یوسف، قاہرہ، جلد ا، ص ۴۵

۴۵۔ شوکانی، نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۱۷

۴۶۔ سبکی، تکملۃ المجموع، جلد ۱۰، ص ۴۵، زیلعی، نصب الرایہ، جلد ۴، ص ۳۷

۴۷۔ مولانا مودودی، سود، لاہور اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۱ء، ۱۶۶

۴۸۔ شوکانی، نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۱۷

۴۹۔ حوالہ سابق، جلد ۵، ص ۱۹۳

۵۰۔ شوکانی، نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۱۸

۵۱۔ ابن قدامہ، المغنی، جلد ۴، ص ۳۲۱

۵۲۔ دیکھیے: شیخ فیصل مولوی، دراسات حول الربا والفوائد والمصارف، دارالارشاد الاسلامیہ، بیروت، ۱۹۹۰ء، ص ۳۱

☆☆☆☆☆